

دعوتِ اسلامی

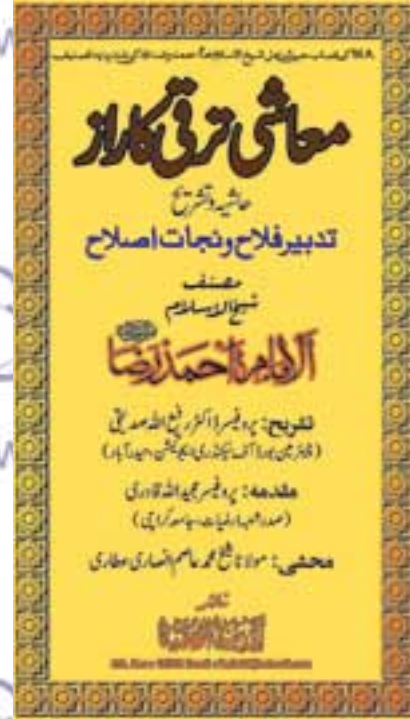
www.dawateislami.net

دعوتِ اسلامی

www.dawateislami.net

دعوتِ اسلامی

www.dawateislami.net



رسالہ

تدبیر فلاح و نجات و اصلاح

(نجات و اصلاح معاشرہ اور کامیابی کی بہترین تدبیر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مسئلہ:

از کلکتہ کولونولہ اسٹریٹ نمبر ۶۵ مسئلہ جناب حاجی نسی لعل خان صاحب ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ
قبلہ و کعبہ حضرت مرشدی و مولائی دام ظلکم العالی اتمنائے قدموسی کے بعد مؤدبانہ گزارش المؤمنید کے پرچے برائے بملاحظہ مرسل ہیں۔
ارشاد ہو کہ آج کل مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے اور امداد ترک کا کیا طریقہ ہو؟

الجواب:

بملاحظہ کرمی حامی سنت ماجی بدعت برادر طریقت حاجی لعل خان صاحب دام محمدکم و علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ المؤمنید کے چھ پرچے آئے انھیں بالا
ستیجاب میں دیکھا گمان یہ تھا کہ شاید کوئی خبر خوشی کی ہو مگر اس کے برعکس اس میں رنج و ملال کی خبریں تھیں، بے گناہ مسلمانوں پر جو مظالم گزر رہے ہیں
اور سلطنت ان کی حمایت نہیں کر سکتی صدمہ کے لئے کیا کم تھے، کہ اس سے بھی بڑھ کر خوکوں کی اس تازہ تبدیل روش کا ذکر تھا جس نے میرے خیال
کی تصدیق کر دی۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا أَمَّا بِأَنفُسِهِمْ

”بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں“

اللہ اکرم الاکرین اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل سے ہماری اور ہمارے اسلامی بھائیوں کی آنکھیں کھولے، اصلاح قلوب و احوال
فرمائے، خطاؤں سے درگزر کرے، غیب سے اپنی مدد اتارے، اسلام و مسلمین کو غلبہ قاہرہ دے ۶ آمین اللہ الحق آمین، و حسبنا اللہ و نعم
الوکیل، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم مگر بے دل نہ چاہیے،

لَا تَأْتِسُّوْا مِنْ رُوْحِ اللّٰهِ ط اِنَّهٗ لَا يَأْتِسُّ مِنْ رُوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ

”اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بیشک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ۔“

اللہ واحد قہار غالب علی کل غالب اس دین کا حافظ ناصر ہے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ

اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا۔

وَ اَنْتُمْ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔

حضور سیدنا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق لا یضرہم من

خذلہم ولا من خالفہم حتی یاتی امر اللہ و ہم علی ذلک غلباً

”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا، ان کی مخالف اور رسوائی کرنے والا ان کو ضرر نہ پہنچا سکے گا حتیٰ کہ وہ گروہ اللہ کا حکم آنے تک اس پر غالب رہے گا۔“

یہاں امر اللہ وہ وعدہ صادقہ ہے جس میں سلطان اسلام شہید ہوں گے اور روئے زمین پر اسلامی سلطنت کا نام نہ رہے گا۔ تمام دنیا میں نصاریٰ کی سلطنت ہوگی۔ اگر معاذ اللہ وہ وقت آگیا ہے جب تو کوئی چارہ کار نہیں، شدنی ہو کر رہے گی ۹۔ مگر وہ چند ہی روز کے واسطے ہے، اس کے متصل ہی حضرات امام کا ظہور ہوگا، پھر سیدنا روح اللہ عیسیٰ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول اجلال آئے فرمائیں گے اور کفر تمام دنیا سے کا فور ہوگا ۱۲۔ تمام روئے زمین پر ملت ایک ملقبہ اسلام ہوگی اور مذہب ایک مذہب اہلسنت۔ غیب کا علم اللہ کو ہے پھر اس کی عطا سے اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو، مگر فقیر جہاں تک نظر کرتا ہے ابھی ان شاء اللہ وہ وقت نہیں آیا اگر ایسا ہے۔ تو ضرور نصرت الہیہ نزول فرمائے گی اور کفار ملعونہ ۱۳ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے۔ بہر حال بندگی بیچارگی دعا کے سوا کیا چارہ ہے، وہی جو ہمارا رب ہے، ہماری حالت زار پر رحم فرمائے اور اپنی نصرت اتارے یعنی جھٹکے جو پہنچ گئے ہیں انہیں پر:

وَزُلْزِلُوا زُلْزَلًا شَدِيدًا اور خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔

آپ پوچھتے ہیں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں، اللہ عزوجل نے تو مسلمانوں کے جان و مال بخت کے عوض خریدے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

”بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خریدے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔“

مگر ہم ہیں کہ بیچ دینے سے انکار اور دشمن کے خواستگار، ہندی مسلمانوں میں یہ طاقت کہاں کہ وطن و مال و عیال چھوڑ کر ہزاروں کوس دور جائیں اور میدان جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ مگر مال تو دے سکتے ہیں۔ اس کی حالت بھی سب آنکھوں دیکھ رہے ہیں، وہاں مسلمانوں پر یہ کچھ گزر رہی ہے، یہاں وہی جلے ہیں وہی رنگ وہی ٹھمیر وہی اُمتنگ وہی تماشے وہی باڑیاں وہی غفلتیں وہی فضول خرچیاں، ایک بات کی بھی کمی نہیں۔ ابھی ایک شخص نے ایک دنیاوی خوشی کے نام سے پچاس ہزار دیے، ایک عورت نے ایک چٹیس و چٹاں جرگہ کو پچاس ہزار دیئے۔ ایک رئیس نے ایک کالج کو ڈیڑھ لاکھ دیے، اور یونیورسٹی کے لئے تو تیس لاکھ سے زائد جمع ہو گیا، ایک رات میں ہمارے اس مفلس شہر سے اس کے لئے چھبیس ہزار کا چندہ ہوا، بمبئی میں ایک کم درجے کے شخص نے صرف ایک کوٹھری چھبیس (۲۶) ہزار روپے کو خریدی، فقط اس لئے کہ اس کے وسیع مکان سکونت سے ملتی تھی، جسے میں بھی دیکھ آیا ہوں اور مظلوم اسلام کی مدد کے لئے جو کچھ جوش دکھائے جا رہے ہیں آسمان سے بھی اونچے ہیں اور جو اصلی کارروائی ہو رہی ہے زمین کی تہ میں ہے پھر کس بات کی امید کی جائے، بڑی ہمدردی نکالی ہے کہ یورپ کے مال کا بائیکاٹ ہو، میں اسے پسند نہیں کرتا، نہ ہرگز مسلمانوں کے حق میں کچھ نافع پاتا ہوں۔

اَوَّل :

تو یہ بھی کہنے ہی کے الفاظ ہیں نہ اس پر اتفاق کریں گے نہ ہرگز اس کو نبھائیں گے۔ اس عہد کے پہلے توڑنے والے جنینفل مین حضرات ہی ہوں گے جن کی گزر بغیر یورپین اشیاء کے نہیں۔ یہ تو سارا یورپ ہے، پہلے صرف اٹلی کا بائیکاٹ ہوا تھا، اس پر کتنوں نے عمل کیا اور کتنے دن نباہا۔ پھر اس سے یورپ کو ضرر بھی کتنا اور ہو بھی تو کیا فائدہ وہ سوتری کیوں سے اس سے وہ گنا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ لہذا ضرر رسانی کا ارادہ صرف وہی مثل ہے کہ کمزور اور پٹنے کی نشانی۔ بہتر ہے کہ مسلمان اپنی سلامت روی پر قائم رہیں۔ کسی شریر قوم کی چال نہ سیکھیں۔ اپنے اوپر مفت کی بدگمانی کا موقع نہ دیں۔ ہاں! اپنی حالت سنبھالنا چاہتے ہیں تو ان لڑائیوں ہی پر کیا موقوف تھا، ویسے ہی چاہئے تھا کہ:

اَوَّلًا :

باستثناء ان محدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے۔ اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں، گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوئے جاتے ہیں محفوظ رہتے۔

ثانیاً:

اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا۔ اپنی حرفت و تجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے۔ یہ نہ ہوتا کہ یورپ و امریکہ والے چھٹانک بھرتا بنا کچھ صناعی کی گھڑنت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

ثالثاً:

بہمنی، کلکتہ، رگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تو گھر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لئے بنک کھولتے سو شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے، مگر اور سو (۱۰۰) طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب ”کفل الفقہ الفہم“ میں چھپ چکا ہے۔ ان جائز طریقوں پر بھی نفع لیتے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت مآتی اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں بیوں کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں ان سے بھی محفوظ رہتے۔ اگر بیوں کی جائداد ہی لی جاتی مسلمان ہی کے پاس رہتی، یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنے ننگے (خوشحال)۔

رابعاً:

سب زیادہ اہم سب کی جان، سب کی اصل اعظم، وہ دین تین تھا جس کی رتی مضبوط تھا سنے نے انگوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا، چاروا نگ عالم میں انکی بیبت کاسکے بٹھایا، نان شبینہ کے محتاجوں کو بلندا جوں کا مالک بنا لیا اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں گرایا:

”فَإِنَّ لِلَّهِ وَ اَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“

علم دین کے دامن سے واسطہ ہے۔ علم دین سیکھنا پھر اس پر عمل کرنا، اپنی دونوں جہاں کی زندگی چاہتے، وہ انھیں بتا دیتا، اندھو! جسے ترقی سمجھ رہے ہو سخت منزل ۳۳ ہے۔ جسے عزت جانتے ہو اشد ذلت ہے ۳۳۔ مسلمان اگر یہ چار باتیں اختیار کر لیں تو ان شاء اللہ العزیز، آج ان کی حالت سنبھل جاتی ہے۔ آپ کے سوال کا جواب تو یہ ہے، مگر یہ تو فرمائیے کہ سوال و جواب سے حاصل کیا؟ جب کوئی اس پر عمل کرنے والا نہ ہو، عمل کی حالت ملاحظہ ہو:

www.dawateislami.net

اول:

پر یہ عمل ہے کہ گھر کے فیصلہ میں اپنے دعوے سے کچھ بھی کمی ہو تو منظور نہیں اور کچھ ہی جا کر اگر کچھ گھر کی بھی جائے ٹھنڈے دل سے پسند کرے گرہ بھر زمین پر طرفین سے دو دو ہزار بگڑ جاتے ہیں، کیا آپ ان حالتوں کو بدل سکتے ہیں۔

”فہل انتم منتھون“ تو کیا تم باز آئے (کنز الایمان)

دوم:

کی یہ کیفیت کہ اول تو خاندانی لوگ حرفت و تجارت کو عیب سمجھتے ہیں اور ذات کی نوکریاں کرنے، ٹھوکر لیں کھانے، حرام کام کرنے، حرام مال کھانے کو فخر و عزت۔ اور جو تجارت کریں بھی تو خریداروں کو اتنا حس ۶۳ نہیں کہ اپنی قوم سے خریدیں۔ اگر چہ پیسہ زائد سہی کہ نفع ہے تو اپنے ہی بھائی کا ہے۔ اہل یورپ کو دیکھا ہے کہ دیسی مال اگر چہ ولایتی کی مثل اور اس سے ارزاں ۷۳ بھی ہو ہرگز نہ لیں گے اور ولایتی گراں ۸۳ خرید لیں گے ادھر بیچنے والوں کہ یہ حالت کہ ہندو آنہ روپیہ نفع لے مسلمان صاحب چوٹی سے کم پر راضی نہیں اور پھر لطف یہ کہ مال بھی اس سے ہلکا بلکہ خراب۔ ہندو تجارت کے اصول جانتا ہے کہ جتنا تھوڑا نفع رکھے اتنا ہی زیادہ ملتا اور مسلمان صاحب چاہتے ہیں کہ سارا نفع ایک ہی خریدار سے وصول کر لیں۔ ناچار خریدنے والے مجبور ہو کر ہندو سے خریدتے ہیں۔ کیا تم یہ عادتیں چھوڑ سکتے ہو۔

”فہل انتم منتھون“ تو کیا تم باز آئے (کنز الایمان)

سوم:

کی یہ حالت کہ اکثر امراء کو اپنے نا جائز عیش سے کام ہے۔ ناچ رنگ وغیرہ بے حیائی یا بے ہودگی کے کاموں میں ہزاروں لاکھوں اڑادیں وہ ناموری ہے ریاست ہے اور مرتے بھائی کی جان بچانے کو ایک خفیف رقم دینا ناگوار اور جنھوں نے بیوں سے سیکھ کر لین دین شروع کیا وہ جائز نفع کی طرف توجہ کیوں کریں؟ دین سے کیا کام؟ اللہ و رسول کے احکام سے کیا غرض؟ ختنہ نے انھیں مسلمان کیا اور گائے کے گوشت نے مسلمان قائم رکھی، اس سے

زائد کی کیا ضرورت ہے؟ نہ انھیں مرنا ہے، نہ اللہ وحدۃ قہار کے حضور جانا ہے، نہ اعمال کا حساب دینا، ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ وَهْدٌ“ پھر سو بھی لیں تو بنیا اگر بارہ آنے مانگے یہ ڈیڑھ دو سے کم پر راضی نہ ہوں، ناچار حاجت مند بنیوں کے ہتھے چڑھتے ہیں اور جانکادیں ان کی نذر کر بیٹھتے ہیں۔

چہارم:

کا حال ناگفتہ بہ ہے کہ انٹر پاس کو رزاق مطلق سمجھا ہے وہاں نوکری میں عمر کی شرط پاس کی شرط پھر پڑھائی وہ مفید کہ عمر بھر کام نہ آئے نہ اس نوکری میں اس کی حاجت پڑے اپنی ابتدائی عمر کہ وہی تعلیم کا زمانہ ہے، یوں گنوائی اب پاس ہونے میں جھگڑا ہے۔

تین تین بار فیل ہوتے ہیں اور پھر لپٹے چلے جاتے ہیں اور قسمت کی خوبی کہ مسلمان ہی اکثر فیل کئے جاتے ہیں۔ پھر تقدیر سے پاس بھی مل گیا ۳۳ تو اب نوکری کا پتا نہیں اور ملی بھی تو صریح ذلت کی ۳۳ اور رفتہ رفتہ دنیوی عزت کی بھی پائی تو وہ کہ عند الشرع ۴۵ ہزار ذلت کہئے پھر علم دین سیکھنے اور دین حاصل کرنے اور نیک و بد میں تمیز کرنے کا کون سا وقت آئے گا۔ لاجرم نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عین مضحکہ ۶۶ سمجھتے ہیں۔ اپنے باپ دادا کو جنگلی، وحشی، بے تمیز، گنوا، نالائق، بیہودہ، احمق، بے خبر دجانے لگتے ہیں۔ بفرض غلط اگر یہ ترقی بھی ہوئی تو نہ ہونے سے کروڑ درجے بدتر ہوئی۔ کیا تم علم دین کی برکتیں ترک کرو گے۔

دعوتِ اسلامی

تو کیا تم باز آئے (کنز الایمان)

”فہل انتم منتہون“

یہ وجوہ ہیں، یہ اسباب ہیں، مرض کا علاج چاہنا اور سبب کا قائم رکھنا حماقت نہیں تو کیا ہے؟ اس نے تمہیں ذلیل کر دیا، اس نے غیر قوموں کو تم پر ہنسوا یا، اس نے جو کچھ کیا وہ اسنے اور آنکھوں کے اندھے اب تک اس اوندھی ترقی کا رونا روئے جاتے ہیں۔ ”ہائے قوم وائے قوم“ یعنی ہم تو اسلام کی رسی گردن سے نکال کر آ زاد ہو گئے تم کیوں قلی بنے ہوئے ہو حالانکہ حقیقت یہ آ زادی ہی سخت ذلت کی قید ہے جس کی زندہ مثال یہ ترکوں کا تازہ واقعہ ہے۔

دعوتِ اسلامی

ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم.

www.dawateislami.net

اہل الرائے ان وجوہ پر نظر فرمائیں۔ اگر میرا خیال صحیح ہو تو ہر شہر و قصبہ میں جلے کریں اور مسلمانوں کو ان چار باتوں پر قائم کر دیں۔ پھر آپ کی حالت خوبی کی طرف نہ بدلے تو شکایت کیجئے۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ ایک ہمارے کئے کیا ہوتا ہے۔ ہر ایک یونہی سمجھا تو کوئی کچھ نہ کرے گا، بلکہ ہر شخص یہی تصور کرے کہ مجھی کو کرنا۔ یوں ان شاء اللہ تعالیٰ سب کر لیں گے۔ چند جگہ اسے جاری تو کیجئے، پھر خر بوزہ کو دیکھ کر خر بوزہ رنگ پڑتا ہے۔ خدا نے چاہا تو عام بھی ہو جائے گا۔ اُس وقت آپ کو اس کی بڑکات نظر آئیں گی۔ وہی آئیے کہ یہ کہہ بتائے سخن میں تلاوت ہوئی ”ان اللہ لا یغیر“ (الآیۃ) جس طرح برے رویہ کی طرف اپنی حالت بدلنے پر تاز بانہ سے یوں ہی نیک روش کی طرف تبدیلی پر بشارت ہے کہ اپنے کرتب چھوڑو گے تو ہم تمہاری اس زدی حالت کو بدل دیں گے، ذلت کے بدلے عزت دیں گے۔ اے رب ہمارے! ہماری آنکھیں کھول اور اپنے پسندیدہ راستے پر چلا، صدقہ رسولوں کے سورج مدینہ کے چاند کا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی آلہ وصحبہ وبارک وکرم آمین۔

خیر! یہ مرتبہ تو عمر بھر کا ہے۔ مسلمان ان چار باتوں میں سے ایک کو بھی اختیار کرتے نہیں معلوم ہوتے۔ مگر ضرورت امداد ترک ۵۰ کی نسبت کہئے، مرھے ہزاروں پڑھے گئے۔ مگر سوائے بعض غرباء کے، امراء و رؤسا بلکہ دنیا بھر کے والیان ملک نے بھی کوئی قابل قدر حصہ نہ لیا۔ وہ جو فوجی مدد دے سکتے تھے، وہ جو لاکھوں پونڈ بھیج سکتے تھے، وہ ہیں اور بے پروائی، گویا انھوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ انھیں جانے دیجئے، وہ جانیں اور ان کی مصلحت، آپ بتی کہئے، کتنا چندہ ہوا ہے، جس پر ہمدردی اسلام کا دعویٰ ہے، مصارف جنگ ۱۵ کچھ ایسے ہلکے ہیں؟ جتنا چندہ چا چکا ہے ایک دن کی لڑائی میں اس سے زیادہ اڑ جاتا ہے۔ اب بھی اگر تمام ہندوستان کے جملہ مسلمان امیر، فقیر، غریب، رئیس اپنے سچے ایمان سے ہر شخص اپنے ایک مہینہ کی آمدنی دے دے، تو گیارہ مہینہ کی آمدنی میں بارہ مہینے گزر کر لینا کچھ دشوار نہ ہو اور اللہ عزوجل چاہے تو لاکھوں پونڈ جمع ہو جائیں۔ یونیورسٹی کے لئے غریبوں کے پیٹ کاٹ کر تیس لاکھ سے زیادہ جوڑ لیا اور اس پر سو دل رہا ہے کہ اس کی مقدار بھی چالیس ہزار سے زائد ہو چکی ہے اور وہ بنی بھی نہیں۔ یہ روپے تو گھر سے دینے نہیں اسی کو اللہ وحدۃ قہار کی راہ میں بھیج دیجئے۔ اسلام باقی ہے تو یونیورسٹی نہ بننا ضرور نہ دے گا اور اسلام نہ رہا تو یونیورسٹی کیا بخشوا لے گی۔ بلکہ ہم کہے دیتے ہیں کہ وہ اُس وقت ہرگز ہرگز بن بھی نہ سکے گی اس وقت جو گت ہوگی ۱۵۲ اس کا بیان پیش از وقت ہے اور بالفرض تنگ دل اور بخیل ہاتھ، ہدایا مال

بھی یوں دینے کو نہ ہو تو یہ تمام وکمال روپے سلطنتِ اسلام کو بقائے اسلام کے لئے بطور قرضِ حسن ہی دیجئے اور زیادہ کیا کہوں،
**وَ حَسْبُنَا اللَّهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ وَ لَاحَوْلَ وَ لَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ وَ عِلْمُهُ جَلٌّ
 مَجْدُهُ أَتَمُّ وَ أَحْكَمُ**

عبدہ المذنب احمد رضا بریلوی

کتبہ

عفی عنہ بمحمد النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مہر دار الافتاء، مدرسہ اہلسنت و جماعت بریلی:

تصحیح کردہ اعجاز الرضوی

از کاظمی مقیم دربار داتا صاحب

صحیح الجواب واللہ تعالیٰ اعلم:

الجواب صحیح:

www.dawateislami.net

محمد رضا خان قادری عفی عنہ

فقیر حسین احمد العاشقی النہواری عفی عنہ المولی القوی

تسمت بـ و نـ و رضـ

الفقیر الرضوی

شیخ محمد عاصم العطاری ۲۵ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ

www.dawateislami.net

فاضل بریلوی کے معاشی نکات کی تشریح

(از پروفیسر ڈاکٹر فریح اللہ صدیقی)

۱۔ ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے، مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ

ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں۔

۲۔ بمبئی، کلکتہ، رگون، مدراس، حیدرآباد، کن کے تو نگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے بینک کھولیں۔

۳۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

۴۔ علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔

امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے یہ چار معاشی نکات لکھے جا چکے ہیں ذیل میں ہم ”ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی“ کے شمارے معارف

رضا ۱۹۹۳/۱۳۱۳ھ میں چھپنے والا مضمون خلاصہ پیش کر رہے جسے ماہر معاشیات پروفیسر محمد فریح اللہ صدیقی صاحب چیئرمین بورڈ آف سیکنڈری

ایجوکیشن حیدرآباد نے تحریر فرمایا۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

تقدیر اہم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا

بلاشبہ مومن کے اشارے میں اور مومن بھی کیسا مومن کہ جس کی ہر سانس عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معطر تھی ان اشاروں میں جہاں معنی پوشیدہ ہے

اس سے پہلے کہ کسی نکتہ پر بحث کروں، بطور تمہید کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں جب کہ یہ نکات کلکتہ شائع ہوئے برصغیر میں علم اقتصادیات کا مطالعہ عام نہیں تھا، دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک مثلاً انگلینڈ، امریکہ،

فرانس اور جرمنی وغیرہ میں دانشوروں کا ایک مخصوص حلقہ اس علم کے اکتساب کی طرف مائل تھا، معاشیات پر باقاعدہ کتابیں لکھی جا چکی تھیں اور لکھی جا رہی تھیں لیکن عوام کی توجہ اور دلچسپی اس مضمون کے متعلق بہت کم تھی۔ طلباء اس مضمون کو خشک سمجھ کر اس سے گریز کرتے تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد اور خاص طور پر ۱۹۲۹ء-۱۹۳۰ء کی عظیم عالمی سردبازاری کے بعد معاشیات کی اہمیت میں جس تیزی سے اضافہ ہوا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ امریکہ میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں معاشیات کے طلباء کی تعداد بہت کم تھی۔ خواتین خصوصاً یہ مضمون پڑھنے سے کتراتیں تھیں۔ لیکن ۱۹۳۰ء اور اس کے بعد حالات یک لخت بدل گئے اور معاشیات کے طلباء کی تعداد میں بے اندازہ اضافہ ہوا اور اب تو امریکی ماہرین تعلیم اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ پرائمری سطح ہی سے طلباء کو معاشیات کی تعلیم دی جائے۔

بہر حال یہ امر واقع ہے کہ علم اقتصادیات میں عوام اور حکومتوں کی دلچسپی کا آغاز ۱۹۲۹ء-۱۹۳۰ء کی عالمی سردبازاری کی وجہ سے ہوا۔ کسادبازاری کو قابو میں لانے کے لئے کلاسیکی نظریات موجود تھے لیکن اس عظیم عالمی کسادبازاری نے ان نظریات کو باطل کر دیا اور اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ ایک ایسے نظریہ کی ضرورت ہے جو اس کسادبازاری پر قابو پانے میں مدد دے سکے بالآخر ۱۹۳۶ء میں ایک انگریز ماہر اقتصادیات جے ایم کینز J.M.Keynes نے اپنا مشہور زمانہ ”نظریہ روزگار و آمدنی“ پیش کیا جو اقتصادیات کے میدان میں ایک انقلاب کا سبب بنا، اس انقلابی نظریہ نے حکومتوں کو اس قابل کر دیا کہ وہ اس عالمی سردبازاری پر مکمل قابو پالیں کینز کو ان کی خدمات کے صلہ میں تاج برطانیہ نے لارڈ کے خطاب سے نوازا جو کسی بھی انگریز کے لئے اعلیٰ ترین خطاب ہے اور باعث افتخار۔

اس تمہید سے میری غرض صرف اتنی ہی ہے کہ ناظرین یہ ذہن نشین کر لیں کہ جدید اقتصادی نظریات کی ابتداء ۱۹۳۰ء کے بعد سے ہوئی اور یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ نگاہ مرد مؤمن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ء ہی میں دکھادی تھی۔ اگر ۱۹۱۲ء سے مولانا احمد رضا خان بریلوی کے نکات پر غور و فکر کیا جاتا اور صاحب حیثیت مسلمان ہند اس پر عمل کرتے تو ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت معاشی اعتبار سے انتہائی مستحکم ہوتی۔ آئیے اب ان نکات پر الگ الگ بحث کی جائے جیسا کہ عرض کیا گیا مولانا بریلوی کے ان نکات کی تعداد چار ہے جس میں سے تین کا تعلق میرے نزدیک جدید اقتصادیات کی روح سے ہے اور چوتھا علم دین کے ترویج و اشاعت سے متعلق ہے۔

پہلا نکتہ :
”ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تا کہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہو سکیں۔“
www.dawateislami.net

اس نکتے میں اہم بات ’پس اندازی‘ ہے فضول خرچی کی مذمت ہمارے رسول ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی کر دی تھی جدید ماہرین اقتصادیات فضول خرچی کی بے حد مذمت کرتے ہیں۔ اگلے نزدیک غیر پیداواری کاموں پر کئے جانے والے اخراجات قطعاً غیر پیداواری حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر برصغیر کے مسلمانوں کی بیسویں صدی عیسوی میں پاکستان بننے سے پہلے تک کی اقتصادی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے باہمی مقدمہ بازیوں پر کروڑوں روپے ضائع کئے یوپی میں تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے مقابلہ میں ۱۳ فیصد تھی لیکن اقلیت ہونے کے باوجود وہ ایک باعزت اور پر وقار زندگی گزار رہے تھے۔ مسلمانوں کی اقتصادیات اور ان کی خوشحالی کا انحصار زمینداری پر تھا۔ یوپی میں مسلم نوابین، راجاؤں اور زمینداروں کی کمی نہ تھی زمیندار اس صوبے میں وہ افراد ہوتے تھے جو کم از کم ایک گاؤں کے مالک ہوتے۔ لیکن میں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بناء پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ حضرات مقدمہ بازیوں میں پھنسے رہتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مقدمہ بازی ان صاحبان کا دلچسپ ترین مشغلہ ہے میرے ایک قریبی عزیز جو زمیندار تھے بارہ برس سے مسلسل ہمارے گھر آتے رہتے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنے ہم زلف سے مقدمہ بازی کے سلسلے میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے وزیر داخلہ ولہ بھائی ٹیل نے یوپی کے مسلمانوں کی معیشت پر زمینداری کا خاتمہ کر کے بھرپور وار کیا اور مسلمانوں کی اقتصادیات کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔ فاضل بریلوی کے پہلے نکتے سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ وہ مقدمہ بازی پر کئے جانے والے اخراجات کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے پہلی بات تو یہ کہ اس طرح مسلمان آپس میں مخالفت پر تلے رہتے تھے دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ یہ کروڑوں روپیہ جو مقدمہ بازی کی نذر ہو رہا تھا کاش کہ اگر بچایا جاسکتا تو مسلمانوں کے کس قدر کام آتا۔ یہ اخراجات قطعاً غیر ضروری تھے۔ اگر مفاہمت اور سمجھ بوجھ سے کام لیا جاتا تو اکثر و بیشتر مقدمات کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی اور معاملات باہمی صلاح و مشورے سے طے ہو جاتے اور مسلمانوں کا سرمایہ غیروں کی تقویت کا باعث نہ بنتا۔

فاضل بریلوی نے ۱۹۱۲ء میں پس اندازی کی ہدایت فرمائی تھی کیونکہ انہیں احساس تھا کہ مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی دور کرنے کا یہی بہترین علاج ہے کہ وہ غیر ضروری اخراجات یکسر ختم کر دیں اور اس طرح جو کچھ پس انداز ہو وہ اپنی فلاح و بہبود پر صرف کریں ۱۹۳۶ء میں کینز نے اپنا نظریہ ”روزگار و آمدنی“ پیش کر کے جدید اقتصادیات کی بنیاد مضبوط کی۔ اس کے نظریہ کی اہم ترین ”مساوات“ میں بچت اور سرمایہ کاری سب سے اہم متغیرات

Variable: ہیں اس کے نزدیک معیشت میں اقتصادی توازن کے لئے یہ شرط ہے کہ بچت = سرمایہ کاری Saving=Investment جب تک یہ شرط پوری ہوتی رہے گی سرمایہ دارانہ معیشت میں توازن برقرار رہے گا۔ لیکن جہاں ان دونوں میں عدم مساوات پیدا ہوئی معیشت کا توازن بگڑ جائے گا۔ یا تو معاشرہ کساد بازاری کا شکار ہو جائے گا یا افراط زر کا دونوں ہی صورتیں سماجی سیاسی اور اقتصادی نقطہ نظر سے خطرناک ہیں لہذا کوشش اس بات کی ضرورت ہے کہ بچت اور سرمایہ کاری میں توازن برقرار رہے۔ فرد یا افراد کے لئے یہ توازن لانا بے حد مشکل ہے لہذا کینز نے حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ معاشی افعال میں بھرپور حصہ لیں۔ اب تک ماہرین معاشیات حکومتوں کو چند ضروری شعبوں (مثلاً دفاع، پولیس، صحت، تعلیم اور رسل و رسائل وغیرہ) میں حصہ لینے کے علاوہ باقی شعبوں سے دور رہنے کی تجاویز دیتے تھے تاکہ معاشرہ میں فرد کی اقتصادی آزادی متاثر نہ ہو۔ حکومتیں اس پر عمل بھی کرتی تھیں لیکن ۱۹۲۹ء۔ ۱۹۳۰ء کی عالمی کساد بازاری نے قدیم ماہرین معاشیات کے اس نظریہ کو غلط ثابت کر دیا۔ ادھر کینز کے مشورہ پر عمل کیا گیا، حکومتوں نے معیشت کے ہر شعبے میں بھرپور حصہ لیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کو کساد بازاری سے نجات مل گئی اور کینز کو انگلینڈ کا اعلیٰ ترین اعزاز ملا۔

موجودہ دور اقتصادی منصوبہ بندی کا دور ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک ملک کی خوشحالی میں اضافہ کے باقاعدہ منصوبے بناتے ہیں ان منصوبوں کی میعاد عموماً ۵ سال ہوتی ہے انقلاب روس کے بعد کمیونسٹ ماہرین اقتصادیات نے روس کی معاشی ترقی کے لئے بیخ سالہ ترقیاتی منصوبوں کا آغاز کیا۔ آج پسماندہ ممالک بھی اقتصادی ترقی کی دوڑ میں شامل ہو چکے ہیں روس کے بعد بیشتر ترقی پذیر ممالک میں پانچ سالہ ترقیاتی منصوبوں کو مقبولیت بخشی ہے اور ان ممالک میں اقتصادیات کے ماہرین ملکی وسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے منصوبہ بندیوں میں مشغول ہیں۔ جہاں اقتصادی منصوبہ بندی میں دیگر اور باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے وہاں ماہرین اس بات کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں کہ منصوبوں کی تکمیل کے لئے کن ذرائع سے رقم حاصل کی جاسکتی ہے۔ منصوبوں کے لئے رقم دو ذرائع کے حاصل ہوتی ہے۔

www.dawateislami.net

www.dawateislami.net

(۱) ملکی بچت (۲) قرضے :

ملک میں اگر بچت کی شرح اونچی ہے تو ملکی ذرائع ہی سے منصوبوں پر عمل شروع ہو جاتا ہے لیکن بچت کی شرح کم ہونے کی صورت میں حکومت کو غیر ملکی قرضوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ منصوبہ بندی کی تکمیل کے لئے ایک تیسرا طریقہ بھی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حسب ضرورت ملک کا مرکزی بینک نوٹ چھاپ چھاپ کر حکومت کے حوالے کرتا رہے لیکن یہ طریقہ ارزاں ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خطرناک بھی ہے اور اس سے ملک میں افراط زر آ جاتا ہے اور اگر افراط زر پر حکومت جلد قابو نہ پاسکے تو پھر اس کے نتائج انتہائی سنگین ہوتے ہیں اور معیشت تباہ ہو جاتی ہے۔

لہذا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ملک میں بچتوں کی ہمت افزائی کی جائے اور لوگوں کو بچت کرنے پر مجبور کیا جائے۔ پسماندہ ممالک میں بچت کی شرح بہت کم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں بچت کی اہلیت بہت کم ہے کیونکہ ان کی آمدنیاں بے حد قلیل ہیں اگر افراد کی آمدنیوں میں تھوڑا بہت اضافہ ہوتا بھی ہے افراد سے اشیائے صرف پر خرچ کر دیتے ہیں ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ بیشتر ترقی پذیر ممالک میں سرمایہ کاری کی شرح ۵ فیصد سے ۸ فیصد ہے جب کہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح ۱۵ فیصد سے ۱۸ فیصد ہے یعنی ترقی پذیر ممالک اپنی قومی آمدنی کا صرف ۵ سے ۸ فیصد حصہ سرمایہ کاری کے لئے خرچ کرتے ہیں جب کہ اقتصادی ترقی کا تقاضا ہے کہ قومی آمدنی کا کم از کم ۵ فیصد سرمایہ کاری کے لئے وقف کر دیا جائے۔

جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ کینز کی مشہور زمانہ مساوات (Equation) کے مطابق بچت = سرمایہ کاری اگر بچتیں زیادہ ہیں تو سرمایہ کاری زیادہ ہوگی لیکن بچتیں اگر کم ہیں تو اقتصادی ترقی کی رفتار بے حد سست ہوگی۔ ۱۹۵۰ء میں ایک امریکی ماہر اقتصادیات کولن کلارک Collin Clark نے بھارت، چین اور پاکستان کے لئے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ان ممالک کی اقتصادی ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہاں کے افراد کم از کم قومی آمدنی کا ۱۲ فیصد پس انداز کریں اور اسے سرمایہ کاری میں لگائیں۔ لہذا آج کل ہر ملک میں خواہ وہ پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ بچت میں اضافے کے لئے مختلف اسکیموں پر عمل کیا جاتا ہے۔ خود پاکستان میں ہماری حکومت نے ایسی بہت سی اسکیمیں رائج کر رکھی ہیں جن سے چھوٹی چھوٹی بچتوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ملک کے ترقیاتی منصوبوں کے لئے ہمیں رقم کی ضرورت ہے اور اس رقم کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ ملکی بچت کا ذریعہ ہے۔

اب اہل دل اور اہل نظر ذرا اس ماحول کو ذہن میں رکھیں جب کہ ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خان نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ پس انداز کریں اور آج کے ماحول پر نظر ڈالیں۔ جب کہ حکومتیں اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ بچت کریں۔ کیا آپ اب بھی قائل نہ ہوں گے مولانا کی دوراندیشی کے!

کیا اب بھی آپ کو یقین نہ آئے گا کہ مولانا کی دور رس نگاہیں مستقبل کو کتنا صاف دیکھ رہی تھیں! کینز کو اس کی خدمات کے صلے میں اعلیٰ ترین خطاب مل سکتا ہے اس بناء پر کہ اس نے وہ چیز دریافت کر لی تھی جسے چوبیس سال قبل مولانا احمد رضا خان بریلوی شائع کروا چکے تھے۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اس طرف ذرہ برابر توجہ نہ دی۔

﴿۲﴾ اب آئیے دوسرے نکتے کی طرف، مولانا نے فرمایا۔

دوسرا نکتہ:

”بمبئی، کلکتہ، رگون، مدراس، حیدرآباد دکن کے تو مگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے بینک کھولیں۔“

یہ نکتہ معاشی نقطہ نظر سے اس قدر اہم ہے کہ ہمیں مولانا احمد رضا خان کی اقتصادی سمجھ بوجھ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان کے صرف چند بڑے بڑے شہروں میں بینک قائم تھے۔ جن کی ملکیت انگریزوں یا ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ برصغیر میں ۱۹۳۰ء تک کوئی مسلم بینک موجود نہ تھا۔ ۱۹۱۲ء میں بینک اور بینکوں کی اہمیت کا اندازہ لگالینا کوئی آسان بات نہ تھی لیکن مولانا کی نگاہوں سے معاشیات کے مستقبل کے اس اہم ادارے کی اہمیت پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اور انہوں نے مال دار مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے لئے بینک قائم کریں۔

سوڈی بے پناہ مضرت رسائیوں کے متعلق مولانا احمد رضا خان نے اپنی دیگر کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا ہے لہذا یہ امر یہاں واضح ہے کہ مولانا احمد رضا خان کی مراد ایسا بینک کاری نظام تھا جو غیر سوڈی بنیادوں پر استوار ہو۔

جدید اقتصادی ڈھانچے میں بینک بے حد اہم کردار ادا کرتے ہیں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ ایک مضحکم بینکنگ نظام ملکی معیشت کو تازہ و صحت مند خون فراہم کرتا ہے۔ بینک وہ ادارے ہیں جو لوگوں کی بچتوں کو پیداواری کاموں میں لگانے کا ذریعہ ہیں۔ آج کا معاشی نظام بغیر بینکنگ کے عضو معطل ہو کر رہ جائے گا۔ اسی وجہ سے موجودہ اقتصادی نظام کو ایک Compound Interest System کہا جاتا ہے یعنی ایک ایسا نظام جس کی بنیاد سود مرکب پر ہے۔ ایسے نظام کی بینکوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اقتصادی منصوبہ بندی میں سرمایہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے کوئی بھی اقتصادی منصوبہ خواہ وہ کتنا ہی بڑا یا کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو بغیر سرمائے کے تکمیل کے مراحل طے نہیں کر سکتا۔ اقتصادی ترقیاتی منصوبوں میں بینکوں کے سپرد یہ اہم کام ہوتا ہے کہ وہ سرمایہ کی قلت کو دور کریں اور بچت اور سرمایہ کاری کی ہمت افزائی کریں۔ ایک مضبوط بینکنگ نظام چھوٹی چھوٹی بچتوں کو اس طرح یکجا کر کے کام میں لاتا ہے کہ اس کے ذریعے بڑے بڑے اقتصادی منصوبے پایہ تکمیل کو جانچتے ہیں۔ اس طرح بینک دو اہم فرائض انجام دیتے ہیں۔

﴿۱﴾ وہ لوگوں کی چھوٹی یا بڑی رقمیں جمع کرتے ہیں اور
﴿۲﴾ ان رقموں کو ایسے افراد کو قرض دے دیتے ہیں کہ جو انہیں پیداواری کاموں پر صرف کر سکیں۔ پیداواری کاموں سے مراد ان کاموں سے ہے جن کا نتیجہ ایسی اشیاء خدمات کی پیدائش میں ہوتا ہے جو مستقبل کی پیدائش دولت میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

تو گویا بینکوں کی اہمیت موجود معاشرہ میں مسلم ہے۔ قائد اعظم انتہائی دور اندیش اور مدبر سیاستدان تھے قیام پاکستان قبل یہ بات ان پر روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ پاکستان کی اقتصادی ترقی کے لئے ایک مضبوط بینک کی سخت ضرورت ہے جو مسلمانوں کی ملکیت ہو۔ لہذا انہوں نے اس بات پر بے حد اصرار کیا کہ مسلمانان ہند کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا بینک فوری طور پر قائم کیا جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ ہے لیکن اس کے باوجود صرف ایک بینک (حبیب بینک) مسلمانوں کا ہے جب کہ ملک میں سینکڑوں بینک سرگرم عمل ہیں جن کی ملکیت غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے۔ قائد اعظم کے مسلسل اصرار سے متاثر ہو کر مرحوم سر آدم جی داؤد اور مرزا احمد اصفہانی نے جن کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے سرمایہ داروں میں ہوتا تھا۔ ۹ جولائی ۱۹۳۷ء کو کلکتہ میں مسلم کمرشل بینک قائم کیا۔ تقسیم ہند کے بعد اس بینک کے دفاتر پاکستان منتقل کر دیئے گئے اور بہت جلد اس بینک نے اپنی شاخیں پاکستان کے اہم شہروں میں قائم کر دیں۔ اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان کی معاشی سرگرمیوں میں یہ بینک انتہائی اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

جدید ماہرین اقتصادیات نے پس اندازی کی دو قسمیں بتائیں ہیں۔

(۱) بچت (Saving) اور (۲) زر کی ذخیرہ اندوزی (Hoarding)

اگر ایک فرد کی ماہانہ آمدنی ۱۰۰ روپے ہے جس میں سے وہ اسی روپے اپنی ضروریات زندگی پر خرچ کرتا ہے تو اس کی ماہانہ بچت بیس روپے ہوگی۔ یہی حال قوموں کا ہے اگر قومی آمدنی قومی اخراجات کے مقابلے میں زیادہ ہے تو نتیجہ قومی بچت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

اس بچائی ہوئی رقم کو افراد بینکوں میں جمع کر سکتے ہیں۔ یا بچت کی کسی اسکیم میں لگا سکتے ہیں یہ صورت حال بچت کہلاتی ہے لیکن اگر لوگ بچائی ہوئی رقم کو اپنے پاس ہی رکھیں تو یہ صورت Hoarding کہلائے گی بچت کا تصور ذخیرہ اندوزی کے تصور سے اس لئے مختلف ہے کہ موخر الذکر تصور خالص نفسیاتی ہے جس میں فرد کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ وہ دولت زر کی شکل میں جمع کرے اور اسے اپنے پاس ہی محفوظ رکھے۔

جب تک لوگ اپنی بچت بینکوں میں جمع کرائیں گے یا کسی بچت کی اسکیم میں لگائیں گے اس وقت معیشت میں توازن برقرار رہے گا۔ لیکن جس وقت

لوگوں میں زر کو ذخیرہ کرنے کی خواہش بڑھ جائے گی تو معیشت عدم توازن کا شکار ہو جائے گی کیونکہ کینز کی مساوات۔

بچت = سرمایہ کاری

غیر متوازن ہوگی۔ ایسی صورت میں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے معیشت میں یا تو افراط زر پیدا ہو جائے گا یا کساد بازاری پھیل جائے گی۔ اور ہزاروں افراد بے روزگار ملکی وسائل بے اثر ہو جائیں گے جس سے معاشرہ میں بے شمار سماجی برائیاں پیدا ہو جائیں گی۔

اب بچت اور بینک کا تعلق قارئین پر واضح ہو گیا ہوگا اور انہیں یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ موجودہ معیشت میں بچت اور بینک ہماری اقتصادی زندگی کے لئے کس قدر اہمیت رکھتے ہیں۔ بچت اور بینک آج کی دنیا میں دو ایسے الفاظ ہیں جن سے ہماری معاشرے کا بچہ بچہ واقف ہو چکا ہے ٹیلی ویژن دیکھنے ریڈیو سننے یا اخبارات کا مطالعہ کیجئے آپ کو ہر قدم پر ان دونوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۱۹۱۲ء میں جب کہ اقتصادی تعلیم محدود تھی کے معلوم تھا کہ تیس چالیس سال کے بعد بچت اور بینک کس قدر اہمیت اختیار کر جائیں گے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا بریلوی نے مستقبل میں جھانک لیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو نہ صرف فضول خرچی سے باز رکھنے کی تلقین کی نہ صرف پس اندازی کی ہدایت کی بلکہ صاحب حیثیت اور دولت مند مسلمانان ہند سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے بینک قائم کریں۔ وہ بینک جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ رکھ سکیں اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان آجروں کو سرمایہ فراہم ہو سکے اور وہ صنعت کاری کے میدان میں ہندوؤں کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکیں۔

پاکستان ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا ہندو مجبور ہو گیا تھا کہ وہ برصغیر کی تقسیم کو قبول کر لے لیکن وہ ابھی تک اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ معاشی طور پر پاکستان کی زندگی چند روزہ ہے۔ یہ ایک حقیقت بھی تھی۔ پاکستان کے خزانے خالی تھے صنعت اور بینکنگ میں مسلمان نا تجربہ کار تھے اس میدان میں گویا ایک خلا تھا جس کو تیزی کے ساتھ پر کرنا انتہائی ضروری تھا۔ پاکستان کے ارباب اقتدار کو اس خلا کو پر کرنے کے لئے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہ بے شمار تھیں لیکن رفتہ رفتہ خدا کے فضل و کرم سے حالات پر قابو پالیا گیا آخر تو یہ مملکت خدا داد تھی جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔

میں سوچتا ہوں کہ کاش ۱۹۱۲ء میں چند ایک ہی ایسے اہل دل مسلمان ہوتے جو مولانا احمد رضا خان کے ارشادات پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کی اقتصادی تاریخ برصغیر میں یقیناً مختلف ہوتی اور پاکستان کو انتہائی نامساعد معاشی مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ایسی گہری سوچ اور ایسے نکات جن کے نتائج اس قدر دور رس ہوں کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں یہ تو صرف مردوں کا کمال ہے۔ اس مردوں نے تو گھر مسلمانوں کو دعوت دی کہ مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کا بینک قائم کرو تا کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت سنبھلے۔ یہی بات ۱۹۳۶ء میں قائد اعظم نے دوہرائی اگر ۱۹۱۲ء میں سر آدم جی اور مرزا اصفہانی جیسے دو چار اور فاضل بریلوی کی ہدایت پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کا معاشی مستقبل بہت کچھ سنور جاتا اور اس کے اقتصادی نتائج نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لئے بلکہ مسلمان عالم کے لئے بے حد خوشگوار ثابت ہوتے۔

اب ہم مولانا احمد رضا خان کے تیسرا نکتے کی طرف آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا:

تیسرا نکتہ دعوتِ اسلامی

”مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں“

ذرا اس نکتے پر غور فرمائیے موجودہ عالمی اقتصادی ماحول کا جائزہ لیجئے اور پھر یہ دیکھئے کہ مسلمانوں نے اس عالم دین کے اس زریں اصول کو نہ سمجھا اور نہ ہی اس پر عمل کیا لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد مغربی یورپ کی جنگ سے متاثر ہونے والے ممالک نے اس پر عمل کیا اور آج یہ ممالک اقتصادی طور پر دنیا کے مستحکم ترین ممالک سمجھے جاتے ہیں۔

لکھو میں میں نے اپنے بچپن میں جب کہ دوسری جنگ عظیم زور و شو سے جاری تھی اکثر مسلمانوں کی دکانوں پر یہ شعر چسپاں دیکھا تھا:

زندگی عزت کی مسلم ہند میں چاہے اگر

تو یہ لازم ہے کہ سودا جب بھی لے مسلم سے لے

یہ غالباً فاضل بریلوی کے اس نکتے کی بازگشت تھی اس شعر نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا لیکن صاحب حیثیت مسلمانوں کو میں نے ہندوؤں کی دوکانوں سے خرید و فروخت کرتے دیکھا۔ مسلمانوں میں اس وقت بھی ماہرین اقتصادیات موجود تھے لیکن بد قسمتی سے ان کی نگاہیں مغربی مفکرین کی جانب لگی ہوئی تھیں وہ اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ خود ان کا ایک عالم اقتصادیات کے بارے میں کیسے کیسے موتی ان کے سامنے بکھیر گیا ہے وہ اپنے خزانے سے بے خبر رہے لیکن مغربی خزانوں کی طرف حسرت و یاس سے دیکھتے رہے اور کسی نے بھی مولانا کے اس نکتے پر غور نہیں کیا نہ ہی اسے سمجھا اور نہ ہی وضاحت کی ضرورت محسوس کی۔ اگر اس وقت کوئی بھی مسلمان ماہر اقتصادیات اس نکتے کے دور رس اثرات کی وضاحت کر دیتا اور مسلمان صرف مسلمانوں ہی سے خرید و فروخت کرنے لگتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان ہندوستان میں معاشی اعتبار سے دوسری قوموں کے مقابلے میں پست ہوتے۔

معاشیات میں اس بات پر گرما گرم بحث ہوتی رہی اور جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے کہ بین الاقوامی تجارت آزاد ہونی چاہئے یا اس پر پابندیاں ضروری ہیں۔ تاہم (Protection) کے خلاف اور موافقت میں بڑے بڑے یورپین اور امریکہ ماہرین معاشیات نے دلائل پیش کئے ہیں۔ آدم اسمتھ Adam Smith کو جسے معاشیات کا باوا آدم کہا جاتا ہے آزاد بین الاقوامی تجارت کا سب سے بڑا حامی سمجھا جاتا ہے آزادی تجارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مملکتوں کے مابین اشیاء و خدمات کی آمد رفت پر پابندیاں نہیں ہیں یا اگر ہیں تو برائے نام ہیں۔ اس کے برخلاف تاہم وہ تحفظ ہے جو حکومت ملکی صنعتوں کو غیر ملکی مقابلے سے بچانے کے لئے دیتی ہے آدم اسمتھ کی کتاب دولت اقوام ۱۷۷۶ء میں شائع ہوئی تھی ۱۷۹۱ء میں امریکہ کے ایک سیاستدان الیگزینڈر ہملٹن نے تاہم کی پالیسی کی پرزور حمایت کی اور آزاد بین الاقوامی تجارت کی مخالفت جرمنی میں فریڈک لسٹ نے تاہم کی حمایت میں پرزور دلائل دیتے ہوئے سب سے پرزور دلیل جو تاہم کے حق میں دی جاتی ہے وہ یہ کہ ملک کی نوزائیدہ صنعتیں بیرونی مقابلے میں جس وجہ سے تحفظ کی مستحق ہیں کہ وہ مضبوط بیرونی صنعتوں کا اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں قطعاً مقابلہ نہیں کر سکتیں ان کی حفاظت حکومت کا فرض ہے ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے سے قبل ہی بیرونی مقابلے کے سامنے دم توڑ دیں۔

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تاہم اس لئے ضروری ہے کہ ملک کی دولت ملک ہی میں رہتی ہے اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ جذبہ حب الوطنی کے فروغ کا باعث ہے۔

اور بھی بہت سے دلائل ہیں جو تاہم کے حق میں دیئے گئے ہیں مگر میں صرف مندرجہ بالا دو دلائل کے متعلق امام احمد رضا خان بریلوی کے تیسرے نکتے کی روشنی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۹۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے برصغیر میں اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اور انگریزوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی ۱۹۱۲ء میں انگریزی حکومت ہندوستان میں انتہائی مستحکم ہو چکی تھی۔ اس وقت کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ صرف ۳۵ سال بعد فرنگی اس سرزمین کو چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔

مسلمانوں کا اب اپنا کوئی ملک نہ تھا لیکن مسلم قوم اب بھی موجود تھی جسے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ انہوں نے کیا گم کر دیا ہے حکومت ختم ہو چکی تھی مگر قوم اب بھی موجود تھی۔ اس قوم کی سماجی مذہبی اور معاشی بقاء کے لئے مضبوط بنیادوں پر اہل نظر اور اہل علم مسلمانوں کو پالیساں وضع کرنی تھیں تعلیمی سیاسی اور معاشرتی میدان میں مسلم لیڈران سرگرم عمل تھے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جدوجہد تیز تر ہوتی جا رہی تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس موقع پر کسی نے بھی مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی اور اس سے نمٹنے کے لئے کوئی پالیسی وضع نہ کی۔ اس موقع پر مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اپنے معاشی نکات پیش کئے جن پر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے کوئی غور و فکر نہیں کیا تعلیم یافتہ مسلمان اپنی رہبری کے لئے مغربی علماء کا سہارا لے رہے تھے اور اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کے درمیان ایک ایسے باوصف انسان کو بھیج دیا ہے کہ جس کے ارشادات پر اگر مسلمان عمل کرتے تو کب کے اپنی غربت و افلاس سے چھٹکارا حاصل کر کے باعزت زندگی بسر کرنے لگتے۔

مولانا احمد رضا خان کا تیسرا نکتہ میرے نزدیک معاشی اعتبار سے انتہائی اہم ہے وہ مسلمانوں کو معاشی تحفظ دینا چاہتے تھے۔ روزگار اور تجارت کے میدان میں ہندو مسلمانوں سے بہت آگے تھے۔ بینوں کی ذہنیت اور فطرت یہی تھی کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ روپیہ کمایا جائے۔ مسلمانوں کو اس میدان میں کوئی تجربہ نہ تھا اور اگر مسلمان تجارت کرنا بھی چاہتے تو اول تو ہندو اپنے مقابلے میں انہیں میدان سے بھگا دیتے تھے اور دوسرے اپنوں کی بے اعتنائی ان کا دل توڑ دیتی تھی فاضل بریلوی پر یہ باتیں روز روشن کی طرح عیاں تھیں اس کا صرف ایک ہی علاج تھا اور وہ یہ کہ مسلمان مسلم تجارت پیشہ افراد کو تحفظ دیں اور خرید و فروخت صرف مسلمانوں ہی سے کریں یعنی فاضل بریلوی نے جدید اقتصادی زبان میں مسلمان دوکانداروں کے لئے مسلمان بھائیوں سے تاہم کی اپیل کی۔ مسلمان دوکانداروں کی مثال بالکل اس نوزائیدہ صنعت کی سی تھی جسے سخت ترین بیرونی مقابلے کا سامنا تھا اور ان کی بقاء اسی صورت میں تھی کہ مسلمان ان کی سرپرستی کریں۔ یہاں کسی ملکی صنعت کو تحفظ نہیں دینا تھا بلکہ اپنی قوم کی اس جماعت کی حفاظت مقصود تھی جو معاشی میدان میں آگے بڑھنے کے لئے کوشاں تھی۔

اب اگر مسلمانان ہند فاضل بریلوی کے ارشاد پر عمل کرتے تو اس کے اقتصادی نتائج کیا ہوتے؟ مسلمانوں کا پیسہ مسلمان دوکانداروں کے پاس جاتا۔ اپنے طور پر یہ مسلمان تاجر مسلمان تھوک فروشوں سے زیادہ سامان حاصل کرتے۔ مسلم تھوک فروش مسلم صنعت کاروں سے زائد اشیاء خریدتے اور جب موثر طلب میں اس طرح اضافہ ہوتا تو مسلمان صنعت کار زیادہ اشیاء پیدا کرتے کیونکہ ان کی اشیاء کی طلب میں اضافہ ہوتا۔ اشیاء کو پیدا کرنے کے لئے وسائل پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یعنی زمین، محنت اور سرمائے کی۔ مسلمان صنعت کار جب اشیاء کی پیداوار میں اضافہ کرتے تو یقیناً وہ بے روزگار مسلمان جو تلاش روزگار میں سرگرداں تھے ملازمتیں حاصل کر لیتے اور جب ان افراد کی آمدنیوں میں اضافہ ہوتا تو ان کی موثر طلب بڑھ جاتی اور معاشیات کا وہ چکر شروع ہو جاتا جو کسی بھی معیشت کو خوشحال کر دیتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان صنعت کار سرمایہ کہاں سے لاتے تو اس کا جواب مولانا احمد رضا خان کے پہلے دو نکات میں پوشیدہ ہے کہ مسلمان بچت

کریں اور صاحب حیثیت مسلمان بینک قائم کریں۔ بینک جن کا اولین مقصد پیداواری کاموں کے لئے سرمایہ فراہم کرنا ہوتا ہے۔ کینز کے نظریہ ”روزگار و آمدنی“ میں موثر طلب (Effective Demand) بے حد اہم کردار ادا کرتی ہے اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تیسرے نکتہ میں موثر طلب کا خیال واضح طور پر موجود ہے۔ سارا کریڈٹ کنیز کو جاتا ہے اور ہم اپنے عالم کے ارشادات سے قطعاً بے خبر مغربی ماہرین معاشیات کو داد دیتے رہتے ہیں۔ خوان نعمت ہمارے سامنے لگا ہوا ہے لیکن ہماری نگاہیں مغرب کی ڈز نمبل پر لگی ہوئی ہیں۔

اب ذرا یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ فاضل بریلوی کے اس نکتے پر مغربی دنیا نے دوسری جنگ عظیم کے بعد کتنا عمل کیا ہے۔ مغربی یورپ کے ممالک مثلاً جرمنی، فرانس اور اٹلی وغیرہ اس جنگ میں تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ خصوصاً جرمنی اور اٹلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جرمنی کی ”بندر بانٹ“ ہوئی۔ ایک حصہ روسیوں کے پاس اور دوسرا اتحادیوں کے قبضے میں آیا۔ جرمنی دو حصوں میں تقسیم ہو کر مغربی جرمنی اور مشرقی جرمنی بن گیا۔ جرمنی کی اقتصادی و معاشی حالت بالکل تباہ ہو چکی تھی۔ یہی حالت فرانس اور اٹلی تھی۔ لیکن جرمنی نے جلد ہی اپنی حالت کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ وہاں کے دانش مندوں نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ جرمنی کو اگر زندہ رکھنا ہے تو اقتصادی بحالی فوقیت کے لحاظ سے اول نمبر پر ہے۔ جنگ کی تباہی کے بعد مغربی جرمنی تباہ اپنی معیشت کو بحال نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا روم میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے اور یورپین مشترکہ منڈی (European Common Market) کا قیام عمل میں آیا جو کچھ مغربی یورپی ممالک پر مشتمل تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عالمی سیاست میں امریکہ کا طوطی بول رہا تھا اور عالمی معیشت میں امریکی ڈالر کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اس منڈی کے قیام کے پس پشت جو نظریہ کار فرما یعنی مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔ معاہدہ روم جس کے تحت اس منڈی کا قیام عمل میں آیا تھا ان شرائط و ضوابط پر مشتمل تھا کہ منڈی کے اراکین ان اشیاء کو پیدا کریں گے جن کی پیدائش پر انہیں دوسرے ممالک پر فوقیت حاصل ہے۔ منڈی کے اراکین ممالک خود کو ایک وحدت خیال کریں گے۔ آپس میں تجارت آزادانہ ہوگی یعنی تجارت پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔ وسائل پیدائش کی منتقلی پر پابندیاں نہ ہوں گی درآمدات پر بھاری ٹیکس لگائے جائیں گے اور برآمدات رعایتوں کی مستحق ہوں گی۔ جو اشیاء منڈی کے اراکین پیدا کر سکتے ہیں انہیں باہر سے نہیں منگوا یا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ خرید و فروخت آپس ہی میں ہوگی۔

منڈی کے قیام کے وقت غالباً اراکین کو بھی اس کی کامیابی کا یقین نہ تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیا نے حیرت سے دیکھا کہ یہ ادارہ انتہائی مستحکم اقتصادی ادارہ بن گیا۔ منڈی کے اراکین کی معیشت انتہائی مضبوط خطوط پر قائم ہوئی۔ مالی اعتبار سے اراکین کی حیثیت بے حد مضبوط ہو گئی اور ہم نے دیکھا کہ عالمی اقتصادیات میں امریکن ڈالر کی حیثیت ثانوی رہ گئی اور جرمن مارک دنیا کی مضبوط ترین کرنسی بن گیا۔

یورپین مشترکہ منڈی کی اس شاندار کامیابی نے معاشیات کی ایک نئی شاخ کو جنم دیا جسے ہم (Theory Of Economic Integration) کے نام سے جانتے ہیں۔ اس پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔

مشترکہ منڈی کی اس شاندار کامیابی سے متاثر ہو کر یورپ کے تقریباً دس ممالک نے جس میں برطانیہ بھی شامل تھا ایک یورپین فری ٹریڈ ایریا (European Free Trade Area) قائم کر لیا لیکن وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو یورپین مشترکہ منڈی کو ہوئی۔ پاکستان، ایران اور ترکی کی مابین جو معاہدہ ہوا تھا اور جسے ہم آرسی ڈی کے نام سے جانتے ہیں۔ انہیں خطوط پر تھا لیکن اس ادارہ کو وہ کامیابی نہ ہو سکی جس کی توقع کی جاتی تھی۔ آرسی ڈی کو کامیاب بنانے کے لئے تینوں ممالک کے سربراہوں کی ایک کانفرنس ۱۹۷۶ء اپریل ۶ء کو از میر (ترکی) میں منعقد ہوئی تھی۔ لیکن ابھی تک کوئی مثبت نتائج برآمد نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اگر تینوں ممالک صدق دل اور نیک نیتی سے اس ادارے کی کامیابی کے لئے کوشش کریں تو کامیابی نصیب نہ ہو۔

بہر حال اس تمام بحث سے غرض یہ تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے جو نکتہ بیان فرمایا تھا اگر مسلمان صدق دل سے اس پر عمل کرتے تو انہیں بھی یقیناً وہی کامیابی ملتی جو یورپین مشترکہ منڈی کے حصے میں آئی۔ ہمارے ایک عظیم عالم دین نے ہمارے لئے چراغ جلا کر رکھ دیا تھا جس کی روشنی میں ہمیں صحیح راستے کا تعین کرنا تھا لیکن افسوس راستے کا تعین تو درکنار ہم نے اس شمع ہدایت کو بھی نظر انداز کر دیا اسے ہم صرف اپنی بد نصیبی اور کوتاہ بینی سے تعبیر کر سکتے ہیں یا پھر یہ کہ معاشرتی، سیاسی اور تعلیمی اصطلاحات میں راہبران ملت ایسے الجھے کہ انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح کی طرف توجہ نہ دی جو یقیناً حیرت انگیز اور قابل افسوس امر ہے جب کہ ان کی ہدایت کے لئے اتنے واضح نکات مولانا احمد رضا خاں نے ۱۹۱۲ء میں واضح فرمادیئے تھے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا چوتھا نکتہ گو کہ اقتصادیات کے متعلق نہیں لیکن اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

چوتھا نکتہ:

”علم دین کی ترویج و اشاعت کریں“

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان مغربی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے۔ انگریزی تعلیم کا حصول بذات خود ایک اچھی بات تھی۔ مسلمانوں کو تو رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت ہے کہ طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن جو بات تشویش ناک تھی اور جسے مولانا کی ذات گرامی نے اسی وقت محسوس کر لیا تھا وہ یہ تھی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ نوجوان نسل مغربی تہذیب کی بھی دلدادہ ہوتی جا رہی تھی جو کہ ایک غیر فطری بات تھی۔ فاضل بریلوی نے سمجھ لیا تھا کہ اگر مسلمان علم دین سے بے بہرہ ہو گئے تو وہ اپنی حیثیت و انفرادیت کو گم کر بیٹھیں گے۔ نئی تہذیب ان کی وحدت کو ختم کر دے گی اور ان کا وہی حال ہوگا کہ۔

نہ خدا ہی ملانہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

اکبر الہ آبادی نے بھی یہ بات بخوبی محسوس کر لی تھی اپنی شاعری کے تیز و تند نشتروں سے انہوں نے مسلمانوں کو اس خطرے کا احساس دلایا۔ انہیں سمجھایا کہ اپنی اصلیت مت بھولو۔ تمہارا سب سے بڑا خزانہ تمہارا مذہب اور تمہاری تہذیب ہے۔ لیکن ”رفارم“ (Reform) کا چکراتنا چیز تھا کہ مسلمان اس طرف متوجہ نہ ہوئے اور اکبر الہ آبادی نے فرمایا کہ۔

سید اٹھے جو گزٹ لے کے تو لاکھوں لائے

شیخ قرآن دکھاتے رہے پیسہ نہ ملا

دعوتِ اسلامی

اور یہ کہ۔

www.dawateislami.net

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مغربی تہذیب نے ایسا رنگ جمایا اور نوجوانوں کو اپنی رنگینوں کا ایسا متوالا بنایا کہ وہ اپنے معاشرے، تہذیب اور مذہب سے دور ہوتے چلے گئے اور فرنگی اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے گئے۔ مذہب سے بیگانگی نے برصغیر کے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو بے حد نقصان پہنچایا لیکن جب قائد اعظم محمد علی جناح نے اسلام کے نام پر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا چاہا تو مسلمان پروانہ واران کے گرد جمع ہو گئے۔ اسلامی غیرت و حمیت اس وقت بھی مسلمانان ہند میں موجود تھی جس کا نتیجہ تقسیم ہند کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مسلمانوں کو ایک نیا ملک نصیب ہوا جو اس بنیاد پر وجود میں آیا تھا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان کی ثقافت و تہذیب ہندوؤں سے مختلف ہے مگر بد نصیبی تو ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام کے نام پر علیحدہ مملکت تو وجود میں آئی مگر ترویج دین کی طرف اہل اقتدار نے کوئی توجہ نہ دی ضرورت اس بات کی تھی کہ مملکت اسلامیہ پاکستان کو صحیح طور پر ایک اسلامی ملک بنایا جاتا۔ اسلامی تعلیمات کی اشاعت ہوتی۔ نوجوانوں کو مذہبی تعلیم سے روشناس کرایا جاتا۔ انہیں بتایا جاتا کہ پاکستان کے لئے برصغیر کے مسلمانوں نے کس لئے جدوجہد کی تھی اور بے شمار قربانیاں کیوں دی گئیں تھیں لیکن افسوس کہ اس طرف سے توجہ ہٹائی گئی۔ اقتدار کے لئے رسہ کشی شروع ہو گئی۔ ابھی ملک کی جڑیں مضبوط بھی نہ ہوئی تھیں کہ طوفان حوادث نے اسے آگھیرا۔ مذہب سے بیگانگی نے اور بھی غضب ڈھایا۔ ہم نے خود کو صوبوں سے خصوصیت دے لی اور یہ بھول گئے کہ ہم اول و آخر صرف مسلمان ہیں۔

ہمارے ملک پر جو آفات نازل ہوئیں ان کا بنیادی سبب ہماری مذہب سے بیگانگی تھا۔ اگر ابتداء ہی سے علم دین کی ترویج و اشاعت پر زور دیا جاتا تو ہمیں یہ برے دن ہرگز نہ دیکھنا پڑتے۔

آج ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہماری نئی نسل کو جو مغرب کی تقلید میں دیوانی ہوئی جا رہی ہے۔ اسلامی تعلیم، اسلامی تہذیب اور اسلامی تاریخ سے روشناس کرایا جائے۔ اگر اس سلسلہ میں نیک نیتی سے کوششیں شروع کر دی جائیں تو کوئی وجہ نہیں ہماری نسل اپنی منزل کو نہ پالے۔ بقول شاعر مشرق علامہ اقبال۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی